مسندِ خاک
اکرام خاور

نام : اکرام الحق

قلمی نام : اکرام خاور

پیدائش : ۲/اکتوبر ۱۹۶۰ء

چوراؤں، گوپال گنج (بہار)

شغل : انڈسٹریل ڈیولپمنٹ بینک آف انڈیا

میں اسسٹنٹ منیجر

شاعری : تقریباً دو دہائی قبل شاعری کا آغاز۔

'ذہنِ جدید'، 'سوغات'، 'عصری ادب'،

'شاعر'، 'آجکل' اور 'ارتقا' میں نظمیں

شائع ہوئیں۔ سیاسی وسماجی موضوعات

پر انگریزی رسالہ Mainstream

میں کئی مضامین چھپے۔ ''مسندِ خاک''

پہلی کتاب ہے۔

''ذہنِ جدید'' کے اکثر شماروں میں نظم کے حصے میں اکرام خاور کی نظموں کو تواتر کے ساتھ شائع کرنے کی وجہ یہ تھی کہ ۱۹۸۰ء کے بعد جو نئے نظم گو شاعر اپنی نظموں کی طرف متوجہ کرانے میں کامیاب ہوئے ہیں ان میں اکرام خاور کا نام نمایاں ہے۔ ان کی نظم پڑھتے ہوئے اور اسے ''ذہنِ جدید'' میں شامل کرتے ہوئے مجھے اکثر اس سرشاری کا احساس ہوا کہ اکرام خاور امکانات کے شاعر ہیں۔ وہ کسی ایک جہان یا

اکرام خاور

(نظمیں)

اِکرام خاور

تقسیم کار

نرالی دنیا پبلیکیشنز

A-358، بازار دہلی گیٹ، دریا گنج، نئی دہلی - 110002

فون: 011-3276094

نام کتاب : مسندِ خاک
شاعر : اِکرام خاور
پتہ : 3/3، سی پارک اپارٹمنٹ، 6، سی پارک، کلکتہ-700019
پیدائش : 1960، بمقام چوراؤں، گوپال گنج (بہار)
پیشہ : بینک ملازمت
ناشر : اِکرام خاور
سالِ اشاعت : 2001
تعداد : 600
سرورق : سروجیت سین —— آرٹسٹ، کارٹونسٹ، فلم کار
'اے پینٹنگ اِن ٹائم' کو 1995 میں
بہترین ڈاکومنٹری کا نیشنل ایوارڈ ملا تھا۔
قیمت : 80 روپے
طباعت : ایم۔آر۔آفسیٹ پرنٹرز، نئی دہلی

زیرِ اہتمام
تنویر احمد

ملنے کے پتے:
- نرالی دُنیا پبلی کیشنز، A-358، بازار دہلی گیٹ، دریا گنج، نئی دہلی-110002
- اکرام خاور، 3/3، سی پارک اپارٹمنٹ، 6، سی پارک، کلکتہ-700019
- موڈرن پبلشنگ ہاؤس، 9-گولا مارکیٹ، دریا گنج، نئی دہلی-110002
- مکتبہ جامعہ لمیٹڈ، اُردو بازار، جامع مسجد، دہلی-110006
- بک اِمپوریم، سبزی باغ، پٹنہ-800004
- عثمانیہ بک ڈپو، لور چیت پور روڈ، کلکتہ

انتساب

ابا، اماں اور البیلی دنیا کے نام

پری پیکر نگارے ، سرو قدے ، لالہ رخسارے
سراپا آفت دل بود ، شب جائے کہ من بودم

Write as you will

In whatever language you like.

Too much of blood has run under the bridge

To go on believing

That only one path is right.

In poetry every thing is permitted.

With only this condition, of course

You have to improve on the blank page.

Nicanor Parra

کوئی سلطان نہیں میرے سوا میرا شریک

مسند خاک پہ بیٹھا ہوں مقابل اپنے

عرفان صدیقی

فہرست

عرضِ شاعر

شاعری کیوں کرتا ہوں؟ جیسا ہوں، ہو بہو، ویسا ہی کیوں ہوں، کسی اور طرح کا کیوں نہیں؟ جس ڈھب سے بسر کرتا ہوں ٹھیک ویسے ہی کیوں بسر کرتا ہوں——دشت و بیابان کچھ اس قرینے سے سجائے گئے ہیں کہ ایسے ہر سوال کا جواب مزید سوالات کے سلسلے پیدا کرتا چلا جاتا ہے۔

شاید...... شاید روحِ گیتی کا خود سے مطالبہ ہے اور واقعات و حادثات، اعمال وافعال ہیں کہ اس کی ضرورتوں، خواہشوں کے عین موافق و مطابق ظہور پذیر ہوتے چلے جاتے ہیں۔ روحِ گیتی اپنی تمام تر عشوہ ادائیوں کے ساتھ خود کو دیکھنے سنوارنے میں مصروف ومشغول ہے، خود ہی نظارہ بھی ہے ناظر بھی، معشوق بھی ہے عاشق بھی، آئینہ بھی ہے عکس بھی، خود سے اس کا مکالمہ جاری و ساری ہے۔ دنیا خود سے ہم کلام ہے اور شاعر محض اک آسان بہانہ یا وسیلۂ اظہار!

روحِ گیتی پہلو بدلتی ہے، سمندر کی موجوں میں اضطراب پیدا ہوتا ہے، چاند کی قوتِ کشش بڑھ جاتی ہے، بانس کی پتیوں سے ہوا سرسراتی ہوئی گزرتی ہے اور شاعر اپنے خون میں دھمک محسوس کرتا ہے۔ بلند و بالا، قد آور درختوں کی شاخوں کو روئی کی طرح دھن کر، روٹی کی طرح بیل کر، کاغذ تیار ہوتا ہے۔ سرکنڈے کا قلم ایجاد ہوتا ہے اور شاعری خود کو جنم دیتی ہے۔

اکرام خاور

۳۰؍ جنوری ۲۰۰۱ء

ایک قاری کی گواہی

'میں خود کو دیکھنے سے انکار کرتا ہوں
تمہاری آنکھ سے
میں مسلمان ہوں
جیسے کہ
آسمان ہے
ہوا ہے
پرتھوی گھومتی ہے
جیسے سے 'موجود ہے
اور سے 'بدلتا بھی ہے'

یہ لائنیں (یا مصرعے) اکرام خاور کی نظم 'ہاں میں مسلمان ہوں' کا ابتدائی حصہ ہیں اس نظم کے ذکر سے میں بات اس لیے نہیں شروع کر رہا ہوں کہ میں اسے اس مجموعے کی سب سے اچھی نظم سمجھتا ہوں۔ بلا شبہ یہ نظم میرے نزدیک اکرام کا اہم فن پارہ ہے لیکن اسے آغاز گفتگو کا حوالہ بنانے کی وجہ یہ ہے کہ مجھے اس

میں شاعر کے پورے تخلیقی رویے کی روح پوشیدہ محسوس ہوتی ہے۔ یہ روح اس مجموعے کی کم و بیش تمام دوسری نظموں میں بولتی سنائی دیتی ہے۔ 'بساطِ رقص' اور دوسری بہت سی نظموں میں اس کا پیراہن بحر اور آہنگ کے دلآویز تانے بانے سے عبارت ہے تو 'ماورا' جیسی نثری نظموں میں اس کا پیکر ان زنجیروں کو توڑ کر اپنا اظہار کرتا ہے لیکن ان سب کے باطن میں ایک ہی روح کارفرما ہے۔ اس روح کی شناخت کیا ہے؟ اس سوال کا جواب دینے کے لیے ایک قاری کی حیثیت سے اپنے تجربے میں دوسروں کو شامل کرنا ضروری معلوم پڑتا ہے۔ سو ایک پس منظر کے تھوڑے سے بیان کی اجازت چاہتا ہوں۔

آج سے تقریباً تین سال پہلے اکرام خاور کی ایک نظم 'ذہنِ جدید' میں شائع ہوئی تھی۔ یہ وہی نظم تھی جس کے حوالے سے میں نے بات شروع کی ہے۔ اس زمانے کا ذکر کرنے کے بعد شائد اس وضاحت کی ضرورت نہیں رہتی کہ پورے ملک کی جذباتی اور ذہنی فضا کیا تھی۔ ان رویوں کا اظہار انسانوں (بلکہ آدمیوں) کے افعال و اعمال میں کس طرح ہو رہا تھا اور ایک ہی وقتی دورانیے میں، ایک ہی انسانی سماج (بلکہ آدمیوں کے انبوہ) کے مختلف حصوں میں ایک طرف انفعال اور دوسری طرف اشتعال کس نقطے پر پہنچ گیا تھا۔ اپنے اپنے محبوب و مرغوب تصورات اور ترجیحات اور تعصبات سے تشکیل دی ہوئی تاریخ اور بیان اور تحریر اور تجزیے کی طاقت کو کس طرح ہلاکت آفریں ہتھیاروں کے طور پر استعمال کیا جا رہا تھا اور فنا کر دینے والی ان طاقتوں کی یلغار کے سامنے انسانی دردمندی کتنی بے بس اور کتنی بے یار و مددگار تھی۔ یہ صورت حال کیوں تھی اس سوال کا جواب تو اس بات پر منحصر ہے کہ جواب دینے والا ایک ناقابل تقسیم انسانی سماج میں مختلف وجوہ کی بنا پر کھینچی ہوئی فصیل کے کس طرف کھڑا ہے اس لیے اس کی بہت ساری تعبیریں اور

تشریحیں ممکن ہیں لیکن اس وقت ہمارا سروکار صرف اس بات سے ہے کہ وہ صورت حال کیا تھی اور اس پر انسانی سماج کو ایک نا قابل تقسیم اکائی ماننے والے اور حسن و صداقت پر یقین رکھنے والے فرد کی حیثیت سے شاعر کا ردعمل کیا تھا۔ وہ ردّ عمل محض ایک جذباتی رفلکس تھا یا اس میں تخلیق کار کے باطن کی سچائی بھی شامل تھی اور سب سے بڑھ کر یہ کہ کیا وہ ردعمل ایک تخلیقی تجربہ بن سکا اور اس کا اظہار ایک فن پارے کی شکل لے سکا۔ اکرام خاور کی یہ نظم بعد والے دونوں سوالوں کا اثبات میں جواب دیتی ہے۔

مانوتا کے کالے دنوں میں
اتہاس کے کھنڈروں سے
ڈھونڈھ ڈھونڈھ کر ہتھیار نکالتی
وہ کالی پرچھائیں کس کی تھی
اب اتنا بھی اسمرتی شونیہ نہیں میں
کہ تمہیں پہچان نہ سکوں

اور

جیسے کہ تم جو کچھ بھی ہو
صرف اس لیے کہ تمہارے پتا بھی وہی تھے
کہ ان کے پتا بھی وہی تھے
کوئی اختیار نہیں تھا
میرا یا تمہارا
اپنے ہونے —— نا ہونے پر!

یہ صرف اپنے ہونے کا اعلان نہیں ہے کہ یہ کام تو جمادات بھی کرتے رہتے ہیں۔ یہ ایک انسان کا اپنے وجود کی تمام شناختوں کے ساتھ اس کے ہونے کی سچائی پر اصرار ہے اور اس باطنی جرأت کا اعلامیہ کہ میں جو کچھ ہوں، جیسا ہوں اپنے ظاہر اور اپنے باطن کے ساتھ اپنے وجوہ کی بنا پر اور اپنے شعوری انتخاب سے ہوں کسی دوسرے کے فرمان، پسند یا مرضی کی پابندی میں نہیں۔ یہ باطنی جرأت اپنے وجود کی من مانی تصویر بنانے کی بیرونی کوششوں کو مسترد کرتی ہے اور اپنے پیکر یا اپنی سوچ کو بدلنے کا حق محفوظ رکھتی ہے، کسی تلخی یا شرمندگی یا اشتعال یا ضد کے بغیر۔ یہ نظم خارجی جبر کے مقابل اپنے وجود کی آزادی پر جس سہج لیکن مضبوط انداز میں اصرار کرتی ہے وہ اپنی باطنی سچائی کے اظہار کی جرأت اور اپنے وجود کو اپنی دنیا کے دوسرے مظاہر سے مربوط کر کے سمجھنے کی صلاحیت یعنی ایک وسیع تر وژن یا بصیرت کے بغیر پیدا نہیں ہو سکتا، نہ کسی فن پارے کی تخلیق کا باعث اور محرک بن سکتا ہے۔ اس طرح حوصلۂ باطنی اور آزادیٔ فکر کے یہ عناصر اکرام خاور کی شاعری کی خصوصی پہچان کے طور پر دوسری تخلیقات میں بھی کار فرما نظر آتے ہیں خواہ وہ مسندِ خاک پر اپنے مقابل بیٹھے ہوں یا جگر لخت لخت کو جمع کرتے ہوں یا آئینے کی حیرت کے تماشائی ہوں؟

اکرام خاور کا ربط اور مکالمہ اپنی ذات سے بھی ہے، دنیا سے بھی، تاریخ سے بھی اور فطرت سے بھی اور ربط و مکالمہ کے اس تنوع میں باطنی سچائی پر اصرار کے بنیادی مشترک عنصر کے ساتھ ساتھ، ایک ایسا تنوع پیرایۂ بیان اور لفظیات اور امیج سازی کا ملتا ہے جو اپنی طرف متوجہ بھی کرتا ہے اور احساس اور فکر دونوں کو تحریک بھی دیتا ہے۔ ان کے لفظوں کے ذخیرے میں ہندی کے 'تت سم' الفاظ بھی ملتے ہیں اور فارسی ترکیبیں بھی اور ایک اچھے فنکار کی حیثیت سے وہ جانتے ہیں کہ

ترسیل کے لیے کس جگہ کس لفظ یا ترکیب سے کام لینا ہے۔ مثال کے طور پر:

میں اس مہان نرتکی کا بیٹا ہوں
جو ایک خاص زاویے پر جھکی
برہمانڈ میں ناچتی ہے
جو پرتھوی ہے
پَر اُس آدِم یُوونا کے تھرکتے جنگھاؤں پر اِستھت
بھارت ورش میں
۱۹۹۰ میں
میں مسلمان ہوں

اور

حساب دوستاں در دل
اگرچہ ہم نے دیکھا ہے
وہ جشن بے مہار
درد سے معمور سینوں پر
سگان شہر خوباں
مائل بوس و کنار
ذرا ٹھہرو
ابھی رستا ہے زخموں سے لہو
اور آج بھی تازہ ہے وہ
افسانۂ اسقاط و نومیدی!

ان دونوں ٹکڑوں اور ان جیسے اور مصرعوں میں الفاظ اپنے تخلیقی تقاضوں کے تحت اپنی جگہ بناتے ہیں۔ یہ بات بظاہر بڑی عمومی اور شائد آسان لگتی ہے لیکن سچ یہ ہے کہ اس رستے میں بہت سے تخلیق کار لڑکھڑاتے دکھائی دیتے ہیں۔ شاعر کے پاس 'اسمرتی شونیہ' اور 'اتہاس کے گرجتے جوار کے سمکھ' جیسی ترکیبوں اور ٹکڑوں کے ہم معنی اور ہم مفہوم الفاظ ضرور ہوں گے لیکن اسے معلوم ہے کہ وہ الفاظ ان ٹکڑوں کا متبادل نہیں ہو سکتے کہ یہ لفظ، جیسا کہ عرض کیا گیا، تخلیق کے اندرونی تقاضے کے تحت آئے ہیں اور یہ اثر اور معنی کی ایک مخصوص فضا اور مکالمے کے دو فریقوں کے تہذیبی اور فکری امتیاز کو قائم اور روشن کرنے کے لیے لائے گئے ہیں۔ یہی معاملہ 'تم یہ کہتے ہو وہ جنگ ہو بھی چکی' سے لیے ہوئے مصرعوں کے لفظیاتی انتخاب کا ہے کہ پوری نظم کی مخصوص ہیئت اور ساخت (یہاں ساخت کا لفظ مروجہ لسانیاتی اصطلاح کے طور پر استعمال نہیں کیا گیا ہے، بلکہ اس سے مراد نظم کا پورا خارجی ڈیزائن ہے) کی تعمیر کے لیے ان کا استعمال ناگزیر نظر آتا ہے۔

اس مجموعے کے مطالعے کے دوران شائد بعض نظموں پر کہیں کہیں راشد، فیض اور اختر الایمان جیسے پیش روؤں کی پرچھائیاں سی نظر آئیں لیکن انہیں ان شاعروں کے اسلوب یا ڈکشن کی تقلید سمجھنا درست نہ ہو گا اس لیے کہ اولاً تو نظمیہ شاعری میں بنے بنائے اظہاری سانچوں کے فقدان اور نظم کی فنی وسعت حدود کی بنا پر غزل کے مقابلے میں یہ خطرہ کم ہے دوسرے یہ کہ جن نظموں میں یہ جزوی تاثر ملتا ہے وہ بھی اپنے فکری یا حسی ردعمل اور اپروچ کے اعتبار سے مجموعی طور پر اپنے پیش روؤں سے مختلف ہیں۔ جس طرح ایک زندہ، نمو پذیر پودا، اپنی مٹی، اپنی آب و ہوا، اپنے آس پاس کے قدرتی عناصر سے، رنگ، بو، توانائی اور نمو کے لیے ضروری اجزا اخذ کرتا ہے اسی طرح اچھی شاعری، اچھے فن پارے کے اپنے آزاد

وجود میں بھی کئی رنگ اور کئی حرارتیں گھل مل کر اسے ایک نئی اور منفرد شکل دے دیتی ہیں اور اس طرح ایک آزاد فن پارے کو ان رنگوں کی گھلاوٹ کے باوجود ایک جامد تقلیدی تحریر سے الگ پہچانا جا سکتا ہے۔

اکرام خاور کی شاعری محبت اور شکست محبت، آلام روزگار اور خوش اوقاتی، شادکامی اور محرومی، انسانی دکھ سکھ اور فطرت کی قہرمانیوں اور مہربانیوں، احتجاج اور غصے اور رضا و خوشی، آزادی اور جبر، تبدیلی اور جمود، تنہائی اور بزم آرائی، ہنگامہ اور سکون اور خوش نمائی اور بدصورتی، غرض زندگی کے مختلف اور متنوع پہلوؤں سے ایک ایسے زندہ، حساس اور آزاد فکر شاعر کی حیثیت سے سروکار رکھتی ہے جس کی وابستگیوں کی شناخت اس کے باطنی سچائی پر اصرار اور احساس و فکر کی آزادی کے اعلان سے ہوتی ہے۔ یہ ایک ایسے دردمند اور صادق ضمیر شاعر کا تعارف نامہ ہے جو بہت سی شعری اور تہذیبی روایتوں کو اپنے اندر جذب کر کے پوری انسانی دنیا کے ساتھ اپنے ربط اور معنویت کی تلاش میں سرگرم ہے۔ 'دل پر خوں' اس تلاش اور اکرام کے شعری مزاج کا استعارہ ہے سو نئی اردو شاعری میں اس جینوئن اور باشعور اور حساس شاعر کا استقبال کیا جانا چاہئے جس کا

دل بہت دکھتا ہے ہر بات پہ دل دکھتا ہے

عرفان صدیقی

لکھنؤ

۱۰۔۷۔۱۹۹۶

بساطِ رقص

مجھے لکھنا تھا، سرشاری!
مجھے لکھنا تھا، دلداری!
مجھے لکھنا تھا اپنا حلف نامہ
اور بیان استغاثہ!
بادشاہ وقت کے مغرور ایوان عدالت میں
امنڈتی خلق کی موجودگی میں
واردات قتل خوباں کے حقائق
اور بیان خلق برہم!

میں قاصد تھا،
غلاموں کا فرستادہ!
مرے ہونے میں مضمر تھی
خرابی !
جملہ امکانات مہلک!
اک بھری بندوق!

میں شاعر تھا،
مجھے اعلان کرنا تھا
مرے اعلان پہ ہونی تھی،
صف بندی!
حسابِ خوں بہا،
بے باق ہونا تھا!

ربابِ زندگی پر،
آرزو کا المیہ گانا
علی الاعلان!
چوراہوں پہ
بے خود ہونا!
گانا!
رقص کرنا!
اور مرجانا!

مرا منصب مقرر تھا!!

دلِ پرخوں

دل بہت دکھتا ہے، ہر بات پہ دل دکھتا ہے
صبح نو خیز پہ ،سورج کی جہاں بانی پہ
شام دلدوز پہ، انجام گل اندامی پہ
عکس موجود پہ ، انوار رخ زیبا پہ
نقشِ موہوم پہ ،اخفائے دل فردا پہ
بسط افلاک پہ، افسانۂ رعنائی پہ
شرح نیرنگیٔ ہستی و زلیخائی پہ
رات کے سوز پہ، شاموں کے مہک جانے پہ
حدت شوق میں کلیوں کے چٹخ جانے پہ
مضمحل تاروں پہ ، سہمے ہوئے ایوانوں پہ
قہوہ خانوں میں جمع، شہر کے دیوانوں پہ
رند مخمور و بلا نوش پہ ،پروانوں پہ
شمعِ کشتہ پہ، اجڑے ہوئے انسانوں پہ
آرزوؤں کی سبک ساری پہ، ارزانی پہ

دل شفق رنگ پہ، جذبوں کی فراوانی پہ
حسن خود آرا و خود بیں کی دل آرائی پہ
عشق مخمور کی جاں سوزی و تنہائی پہ

پہلوئے دل سے کہیں لگ کہ کوئی روتا ہے
دست قاتل پہ کہیں اشک کہیں دھبے ہیں
دل مسلتا ہے کوئی ہاتھ میں لے کر ہر دم
دل بہت دُکھتا ہے ہر بات پہ دل دُکھتا ہے!!!

شہسوار

لہو میں کوئی شہسوار دوڑتا ہے رات دن
کبھی کبھی —— کہ نرم رو، سبک سبک
کبھی کبھی کہ مضمحل، تھکا تھکا
کبھی کبھی یہ پوچھتا ہے
کیا ہوئے ؟
وہ جاں بدست قافلے
کہاں بھٹک گئے
عمیق درد کے وہ سلسلے !

کبھی کبھی تو یوں ہوا
میں جنگلوں میں گم ہوا
بڑی مہیب خامشی
بڑی سیاہ رات تھی
کہیں کوئی صدا نہ تھی
کہیں کوئی دیا نہ تھا

نہ چشمہ، خیال تھے
نہ آہو و غزال تھے
نہ کوئی دست آرزو
نہ کوئی خواب آب جو
نہ راحتیں، نہ کلفتیں
نہ آہٹیں، نہ جنبشیں
خیال گم، حواس گم
چہار سمت ——— دشت ہوٗ!
گماں ہوا ——— یہ کیا ہوا
یہ کیا مقام آگیا
میں زندہ ہوں ——— کہ مرگیا!

کبھی کبھی تو یوں ہوا ———
کہ خار و خشک جھاڑیوں سے
جھانکتے تھے غول شب
گرج رہی تھی آندھیاں
اجڑ رہی تھی بستیاں
گرد سے اٹی فضا میں
چیختے تھے اژدہے
کہ وحشت جنون دل
سمندروں کا شور تھا

گماں ہوا' یہ کیا ہوا؟
یہ کیا مقام آ گیا؟
میں گم ہوا! میں گم ہوا!

گماں ہوا —
خیال ہست و نیست کیا
یہ ورطۂ وجود کیا
یہ طنطنہ یہ ہاؤ ہو'
یہ طمطراق زندگی
فریب در فریب ہے
سراب در سراب ہے
سراب مستقل ہے
اور کچھ نہیں یہ زندگی!

قریب تر تھی خستگی
قریب تھی شکستگی
مگر اسی مقام پہ
وہ شہسوار جنگ جو
امین دست و آرزو
عیاں ہوا!
دشت ہو کے بے پناہ' بے بساط'

دل کے عین آرپار!
خاک وخوں کی پُرشکوہ، پُرفریب
وادیوں کو روندتا،
چشمۂ لہو میں ترسُموں سمیت،
پُرخطر، گھماؤدار،
آندھیوں کے آرپار!

اُچک لیا مجھے عذاب گمرہی کی آگ سے
اُچک لیا مجھے کریہہ آہنی گرفت سے
کہ نصب کردیا مجھے، بلندیوں کے بام پر
فرازِ کوہ سے بلندتر کسی مقام پر
ہوا کی باگ، میرے ہاتھ سونپ دی!

یہ شہسوار جنگ جو
صدائے انتباہ ہے!!

دیوانگی

بہت کچھ چاہتا تھا میں
ہمیشہ چاہتا تھا میں
کہ دنیا خوبصورت ہو
کہ جیسی —
پیار کرتے وقت ہوتی ہے!
چاہتا تھا
شام ہوتے ہی اتر آئے،
فلک سے چاند
بچوں کی ہتھیلی میں
کہ...... شب
تاریک ہو جتنی
مگر
......
نم ہو، خنک ہو
اور پورب کی ہوائیں

سبک رفتار گزریں
چھتوں پر اوس ہو
اور آنگنوں میں
کہکشاں اترے!

ہمیشہ چاہتا تھا میں،
کہ آنسو ہی نہیں ہوں
اور اگر ہوں تو،
وفورِ سرخوشی میں!
زباں میں کوئی لکنت،
اور ہونٹوں میں
کوئی لرزش نہ ہو ہرگز،
اگر ہو تو............
محبت کی تپش میں!

خداؤں کی طرح قادر
ہمارے باپ، بوڑھے ہی نہ ہوں
اور اپسراؤں اور پریوں سی حسیں
محبوب مائیں!
اپنے بچوں کو نہ روئیں
کسی بچے کی آنکھوں میں

کبھی وحشت نہ در آئے!
کوئی دنیا سے نامحرم نہ گزرے!

جواں ہونے سے پہلے، سارے بچے
بھاگ جائیں اپنے گھر سے
اور دنیائیں بسائیں!
یا کوئی بچہ
کسی گھر سے نہ بھاگے!
ہمارے گاؤں کی الھڑ حسینہ کی جوانی،
اتنی جلدی تو نہ گزرے!
بہت دن —— ہاں بہت دن!
اور ٹھہرے!

اور جشن کی شب
جب بساطِ رقص قائم ہو،
روشنی بردار چہرے بھی
منور ہوں!

چاہتا تھا کہ
جنہیں ہونے کا کوئی حق نہیں تھا،
ایسے سارے لفظ باہر ہوں
زبانوں سے ہماری

اور دنیا بھر کے سارے لوگ
شاعر ہوں!
ہمیشہ چاہتا تھا اور
بڑی معمولی چیزیں چاہتا تھا میں
کہ جیسے چاہتا تھا
ساتھ اک لڑکی کا
سرد، یخ بستہ ہواؤں میں شرارے بھرنے والی
ایک لڑکی!
یا کوئی مرطوب موسم!
یا کہ شبنم میں نہائی
سیڑھیوں سے چاند تک پھیلی ہوئی
اک رات!
شب صحرا!
ملائم گرمجوشی سے بنی دنیا!
حلاوت اور حدت سے بنی دنیا!
سینۂ شاعر میں
اک مغرور پرچم!
ایک لڑکی!
ایک دنیا!

بہت معمولی چیزیں چاہتا تھا میں
کہ جیسے چاہتا تھا

زندگی میں کوئی موسیقی،
کوئی نغمہ!
آشنائی درد کے مضراب سے،
سرودِ زندگی کا کوئی برجستہ ترانہ!
ایک کمرہ اور بستر،
اک رضائی،
میز اور کرسی،
کتابیں اور دوائیں،
دوستوں کے خط!
ایک کھڑکی اور تھوڑی چھت!

تھوڑی مستی اور بے خوفی!

میں یہ بھی چاہتا تھا
اور وہ بھی چاہتا تھا!
میں سب کچھ چاہتا تھا!
بہت معمولی چیزیں چاہتا تھا میں
بہت معمولی چیزوں پر ٹکی تھی زندگی میری
(مجھے افسوس ہے اس کا!)

مری آنکھوں نے دیکھا تھا
جہاں کو،
عارضِ محبوب کی صورت،

ہمارے ذہن میں
ہر خواب کی تفصیل تھی،
ہر حسن کا امکان تھا،
آسماں کچھ بھی نہیں
اک کھیل کا میدان تھا
بچوں کی خاطر!
اور سمندر!
محض اک کانچ کی چادر
جسے لکھنے کی خاطر
میز پر رکھا گیا تھا!

واقعہ تو یہ ہے
کہ دنیا
مرے کمرے سے زیادہ
کچھ نہیں تھی!
مجھے معلوم تھا،
کہ پھول کس گوشے میں ہوں گے
قلم ہو گا کہاں پر
کس جگہ ....
کھیلیں گے بچے!

......اور خنجر
کس جگہ ہو گا!!!

تم یہ کہتے ہو وہ جنگ ہو بھی چکی

جنہیں زعم خودی میں ساری خلقت
بھیڑ کی ریوڑ سی لگتی ہے
بڑی محنت، مشقت سے ہمیں سمجھا رہے ہیں وہ
کہ اب
کوئی نشان معتبر، باقی نہیں ہے!
کہیں بھی، سجدہ گاہ آرزو باقی نہیں ہے!!

(۱)

جشن تھا — مرگ تمنا کا
حضور مطلق العنان سرمایہ
بزور قہقہہ ہذیاں
بقدر موقع وامکاں
بیک صوت وصدا
بزم طرب میں مرثیہ گایا گیا
مرگ تمنا کا

نظام آرزو کا
جرأت سر دادگاں کا
خواب کا
اور خواب کی تابندگی کا!
خواب!
جیسے جنس کی منڈی کا کوئی
کھوٹا سکہ!!

(۲)

سکۂ رائج الوقت کے انبیا
انبیائے سخن
'کچھ امامان صد مکر و فن'
کس تفاخر سے ارشاد کرنے لگے
بطن گندم سے پیدا شدہ
علم و عرفان کے
نکتۂ بے بہا!
نسخۂ کیمیا!
"ایک باضابطہ لیک بالواسطہ ربط ہے
شرح پیدائش و شرح اموات میں
ذہن انسان اور تابش ماہ میں
شکم مفلس میں اور قوت باہ میں"

”سرشت آدم خاکی کی کم ظرفی مسلّم
زمیں جنت نشاں
ناممکنات آرزو،
خواب پریشاں!
پریشاں دفترِ فکر و عمل سارا!“

(۳)

صداقت کے پرانے ضابطے،
حرفِ غلط ٹھہرے!
غلط ٹھہرا وہ خیر و شر کا افسانہ!
صداقت کے نئے آئین کی رو سے
بقائے زیست طاقتور کا حق ہے!
اور زمانہ استعارہ ہے
کچھاروں میں پڑے مخمور شیروں کا،
فضا میں چیختی چیلوں کا اور ——
مقتول ہرنوں کا!

خیال بال و پر
سودائے لاحاصل
صداقت لقمۂ تر!

(۴)

اختتامِ جہد کے پیغامبر!

خاطر جمع رکھو

تمہارے عہد میں زندہ تھے ہم،
اور ہم نے بھی دیکھا ہے وہ
انبوہ مرد و زن!
ہوا کی دار پہ لٹکا ہوا وہ،
بت آدم قد!
چرخ کج رفتار سے آمادۂ پیکار
وہ شمشاد قد!
وہ لہلہاتی فصل خوں!
اور وقت رخصت ——
شرمسار و سرنگوں
وہ فتنہ ساماں، قامت جاناں!

حساب دوستاں در دل!
اگرچہ، ہم نے دیکھا ہے
وہ جشن بے مہار
درد سے معمور سینوں پر
سگان شہر خوباں
مائل بوس و کنار!

ذرا ٹھہرو......
ابھی رستا ہے زخموں سے لہو
اور آج بھی تازہ ہے

وہ افسانۂ اسقاط و نومیدی!
مگر افسوس! صد افسوس!

سارا ماجرا
پیر مغاں، تم نے غلط سمجھا
کہ میں یہ زندگیِ بے بہا
کیونکر تعطل میں گزاروں گا!

ملوں گا آج کی شب بھی میں اس سے
رات رانی کی مہک،
اور چاند کی کرنوں سے بھیگے آنگنوں میں
انتہائے شوق میں
اور اس ارادے سے کہ
کل کو میرا وارث،
خانہ زادِ زندگی،
نئے تیور سے، شانِ کج کلاہی سے،
ہمہ تن گوش بَر آوازِ جرس و نالۂ بلبل
تمہارے روبرو، اک بار پھر سینہ سپر ہوگا!

فضا گم صم ہے! ہونے دو!
جنہیں آنا ہے
آئیں گے!
زمیں پر پھیل جائیں گے!!

جب میں شاعری نہیں کرتا

جب میں شاعری نہیں کرتا
مہاجنوں کی نوکری کرتا ہوں
اوباش طبع دوستوں کے ساتھ
مٹکتے کولہوں، مہکتی زلفوں کے تعاقب میں
شہر میں بھٹکتا ہوں
گھٹیا چائے، گھٹیا سگریٹ پیتے ہوئے
فحش لطیفوں پہ دل کھول کر ہنستا ہوں
حقارت اور نفرت سے لبریز سڑکوں پر
بے تحاشہ بھاگتا ہوں
پولیس سے ڈرتا ہوں
وزیر پہ ہنستا ہوں
غلاظت کا کاروبار سرِ عام
دیکھتا ہوں
بصد اہتمام خاموش رہتا ہوں

بارے گنگناتا ہوں
بارے مسکراتا ہوں!

دیر رات تک شراب پینے کے بعد
اندھیرے میں
کتے کی طرح،
جبڑے بجا بجا کر روٹی کھاتا ہوں
اور اک گہرے اندھیرے میں
ڈوب جاتا ہوں!!!

مشعل جاں

شمعِ دل، رفتہ رفتہ ہو گی گُل اور
آگ برسائے گا سورج
زمین و آسماں یک رنگ ہوں گے!
مسلسل اور پابند سلاسل
شام کے پیراہنوں میں ہوں گے مدغم
دکھ کے سائے!
اور دھنک ہم نام ہے جن کی
وہ سارے حشر ساماں طائرِ وحشی
تلاش روزنِ دیوار میں آئیں گے
آخر حسرتِ دیدار سے مغلوب
اپنے جنگلوں کو
لوٹ جائیں گے!

گھٹا کی اوٹ سے آئیں گے
تارے!

آنکھوں کی بے رمق ویرانیوں میں
نور اپنا رو چلیں گے!

رفتہ رفتہ خون کی مدہوشیاں
تھم جائیں گی
اور ہو گا رخصت
دل کا ہر مہمان دیرینہ،
خلا ہو گا!
بظاہر بے سبب،
بے چینیاں ہوں گی!
جہاں یادوں کا مسکن تھا!!

لہکتی فصل گل،
کھلیان کو ترسے گی،
سارا درد کورا،
منتظر رہ جائے گا!
کھو جائے گا کچھ!

لوح دل پر روز لکھ جائے گا کوئی
آنسوؤں اور خون کی تحریر تازہ اور
بچے گی آخرش
اک زندگی

آ گئے کڑے کوسوں کے رستے!

ایسے وحشت ناک موسم میں
بچانا ہو گا
دل کو اور
دنیا کو
بہر صورت!
بہر قیمت!
بچانی ہو گی
تھوڑی آس!
تھوڑی آزمودہ پیاس!
اور...... بارود
شریانوں میں!
دل کی جیب
میں سوکھی ہوئی
ماچس کی ڈبیا!!!

طرفہ تماشہ

رازِ دل کہنا تھا تم سے
ہاں مگر کیا؟
واقعہ؟ کچھ سانحہ؟
کچھ حادثاتِ ناگہانی؟
نادر و نایاب قصہ،
کاروبارِ آرزو کا؟
انکشافِ رمزِ ہستی؟
کاروبارہائے جرأت؟
کاروبارہائے دانش؟
نوکری؟
یا چھوکری؟
یا انقلابِ دہر؟
——یا نارِ جہنم؟
گندمِ ناپید کی رمز آشنائی؟

یا گل و بلبل کی وہ نغمہ سرائی؟

سارا قصہ مختصر تھا!
مختصر تھی درد کی ساری کہانی!
درد! کس کا درد؟
کیسا درد —— کتنا درد!!

درد کے سارے فسانے
بے جواز و بے سبب!
بے سبب اسباب عالم،
بے سبب، تاروں کا رقص!
بے سبب حسن و تبسم،
بے سبب پروانۂ دل
بے سبب پتوں پہ شبنم کا نزول!
بے سبب روئے زمیں پر رینگتے
کیڑے مکوڑے!
بے سبب انبوہ آدم ——
بے سبب ضرب کلیم!

کچھ نہیں تھا
کوئی ربط باہمی،
کچھ بھی نہیں!

عرصۂ دنیا،

محض اندھا سفر تھا
اک خلا سے دوسری تک!
یا مجرد، بیکراں ہستی میں
ضم ہونے، فنا ہونے کا قصہ!
یا محض اک سلسلہ تھا —— ٹڈیوں کا
اک اندھیری غار سے اندھی گپھا تک!
کوئی ربط باہمی
ممکن نہیں!!

میلے ٹھیلے کا سماں تھا!
کھیل تھا!
ذرات کی پیکار تھی
بے ابتدا —— بے انتہا!
تھی آفرینش کی
دہکتی آگ!

التوا میں تھا خدا
اور تھی مقدم
صرف اپنی ذات
اپنی بھوک پیاس!
انفرادی حرص و حسرت
اجتماعی بزدلی!!!!

ہاں میں مسلمان ہوں

مائی (پاروتی دیوی) کے نام

ہاں میں مسلمان ہوں
نہیں کہوں گا میں
جیسے کہ تم انسان ہو
میں مسلمان ہوں
بغیر کسی شرم یا دہائی کے
بغیر کسی صفائی کے
میں خود کو دیکھنے سے انکار کرتا ہوں
تمہاری آنکھ سے

(۱)

میں مسلمان ہوں
جیسے کہ ہوا ہے
پرتھوی گھومتی ہے
جیسے سمے موجود ہے

اور سمے بدلتا بھی ہے
بدل سکتا ہوں میں بھی
میں بدلوں گا بھی
لیکن صرف تمہیں خوش کرنے کے لیۓ نہیں
میں بدلوں گا اپنی مرضی اور ضرورت سے
نہ کہ تمہارے فرمان سے!

(۲)

میں مسلمان ہوں
انیس سو ساٹھ میں پیدا ہوا
جیسے پیدا ہوتا ہے
اک آدمی!
۱۹۴۷ کے دنگوں میں نہیں!
محمود غزنی کے حملوں میں نہیں!
گوپال گنج میں!
اپنی ماں کے آنگن میں!
بیسویں صدی میں!
(جہاں سے کہتے ہیں سیتا کی ڈولی گزری تھی)
بہار میں!
آزاد ہندوستان میں!
میں پیدا ہوا

تمہاری اِچھا کے خلاف!

تم کیوں مجھے بار بار
سینتالیس کے دنگوں میں
غزنی کے حملوں میں
پیدا کرنے کی ہنسا کرتے ہو
کیا میں غزنی کی اولاد ہوں
کیا میں بابر کی اولاد ہوں
ظالم، جابر راجاؤں کی سنتان تم ہو گے
میں نہیں!
میں تو کسان کی سنتان ہوں
کسی سلطان کی نہیں!

ہاں میں حسین کی سنتان ہوں
جو شہید ہوئے فرات کے ساحل پر
کربلا کے میدانوں میں
لڑتے ہوئے
راج تنتر کے خلاف
جن تنتر کی راہ میں!

(۳)

ہاں میں مسلمان ہوں

کیونکہ میرے پتا بھی مسلمان تھے
کیونکہ ان کے پتا بھی مسلمان تھے
جیسے کہ تم، جو کچھ بھی ہو
صرف اس لیے کہ ——
تمہارے پتا بھی وہی تھے
کہ ان کے پتا بھی وہی تھے
کوئی اختیار نہیں تھا
میرا یا تمہارا
اپنے ہونے، نا ہونے پر
اور میں جو مسلمان ہوں
عموماً بے خبر رہتا ہوں اپنے مسلمان ہونے سے
بے خبر رہتا ہوں جیسے کہ
اپنے شریر کے انگوں سے
جب تک کہ انہیں چوٹ نہ پہنچے!

(۴)

سچ کہوں؟
میں مسلمان نہیں ہوں!
اتہاس کے گرجتے جوار کے سمکھ
میں ہندو، مسلمان کیوں ہونے لگا
صرف انسان ہوں میں!

پرتھوی کا باشندہ!
پوری پرتھوی کا وارث ہوں میں!
میں اس مہان نرتکی کا بیٹا ہوں
جو اک خاص زاویے پہ جھکی ہوئی
برہمانڈ میں ناچتی ہے!
پر اُس آدِم یووَنا کے
تھرکتے جنگھاؤں پہ اِستھت
بھارت ورش میں!
۱۹۹۰ میں!
میں مسلمان ہوں!
...... کیونکہ یہ وقت نہیں
جب میں اپنے مسلمان ہونے کے اتفاق سے انکار کروں
جب کہ اپرادھ ہے تمہاری نظروں میں
کسی کا محض مسلمان ہونا!

(۵)

میں مسلمان ہوں
یعنی کہ محمد کا انویائی
مگر میں رک نہیں گیا
کیونکہ میں رک ہی نہیں سکتا تھا
اور محمد کا انویائی

مارکس کا شیدائی ہو گیا
پر تم تو فرق کر ہی نہیں سکتے
'مودودی' اور 'مظفر احمد' میں
تم تو مجھے صرف چار خانے کی لنگی سے پہچانتے ہو
پر میں کرتا پاجامہ اور پینٹ، شرٹ بھی پہنتا ہوں
جینس بھی پہنتا ہوں
کسی فلمی ہیرو کی طرح گھنی مونچھیں بھی رکھتا ہوں
بڑھا لیتا ہوں داڑھی بھی کبھی کبھی
یوں ہی!

کس ارادے سے ضد کرتے ہو تم
مجھے ہمیشہ ترکی ٹوپی اور داڑھی میں دیکھنے
اور پیش کرنے کی؟

سب جانتے ہیں
کہ ٹھاٹھیں مارتا گرم مانو رکت،
جس میں پچھمی تٹ کا سمندر ٹھاٹھیں مارتا ہے
اگر دم توڑتے سانڈ سا 'پسر جائے
تو تم رومانچت ہو اٹھتے ہو!
پھینک سکتے ہو تم 'بچوں کو
تیز رفتار ٹرین سے باہر
کیلے کے چھلکے کی طرح!

معلوم ہے کہ آجکل
بانٹتے ہو تم بھارتیتا کا پرمان پتر
پر میں تھوکتا ہوں، تمھارے پرمان پتر پر!
میں بھارتیہ ہوں جس کے بغیر بھی
تم سے کہیں ادھک بھارتیہ!

کس نے بنایا تمہیں اس پورے بھارت کا مالک
جہاں میری نال گڑی ہے
جہاں نسل در نسل
میرے پرکھے دفن ہیں

(۶)

ہاں میں مسلمان ہوں
۱۹۶۰ میں پیدا ہوا
اور سوچتا ہوں،
نہ صرف پاکستان کے بارے میں
بلکہ نیپال اور نکاراگوا کے بارے میں
پوربی یوروپ اور دکھنی افریقہ کے بارے میں
بنگلہ دیش کے بارے میں
بھارت کے بارے میں
بھارت کی جنتا کے بارے میں
(بوٹ کلب کی راتوں کے بارے میں نہیں)

اور سوچتا ہوں کسی لڑکی کے بارے میں
سمُدر تل پہ بارودی سرنگیں پھٹتی ہیں
بھُوکمپ آجاتا ہے مجھ میں
جھنجھناتا ہوں میں دیر تک!
(پر تمھیں کیوں بتا رہا ہوں میں یہ سب کچھ ؟)
تم تو استری سے پیار ہی نہیں کر سکتے!

اور میں مسلمان ہوں
اس کے باوجود بھی
بغیر کسی شرم یا دہائی کے
بغیر کسی صفائی کے
(اس میں ناراض ہونے کی کیا بات ہے ؟)

اور جو کچھ بھی ہو تم،
ہندو نہیں ہو!
کیونکہ ہندو تو دیش کی ویاپک جنتا ہے
جو پانی کی طرح سرل ہے!
پہاڑ کی طرح اٹل ہے!
جنتا جو میری ہی طرح ہے
اور جس کی طرح میں ہوں
جس کے بغیر میں ہو ہی نہیں سکتا تھا
(یہ کوئی راشٹر یہ ایکتا کا نعرہ نہیں

میرا وجود ہے)

ایسا ہی ہے میرا وجود!

تم ہندو نہیں ہو!

اچھی طرح پہچانتا ہوں میں تم کو

پہلی بار نہیں آئے تم

مانوتا کے کالے دنوں میں

اتہاس کے کھنڈروں سے

ڈھونڈھ ڈھونڈھ کر ہتھیار نکالتی

وہ کالی پرچھائیں کس کی تھی؟

اب اتنا بھی اسمرتی شونیہ نہیں میں

کہ تمہیں پہچان نہ سکوں

کل ہی کی تو بات ہے

کہ آئے تھے تم

اور آہوان کیا تھا تم نے

یہودیوں کو قتل کرو!

ہندو کہہ کر میں تمہیں ہرگز سمانت نہیں کروں گا!

میں خود کو دیکھنے سے انکار کرتا ہوں

تمھاری آنکھ سے!!

چیخ

جوانی کچھ نشے، کچھ خواب میں گزری
محبت کچھ جنوں، کچھ خون کے اعجاز میں گزری

جہاں پہنچے، نگاہوں میں اجالا ہی اجالا تھا
تھکن تھی گاہے گاہے، ہاں مگر رنگوں کا ہالہ تھا
تپش ہمراہ تھی ہمراہ میرے ایک دریا تھا

یکایک کیا ہوا
یہ کیسا سناٹا سا طاری ہے!!

ایک منظر

شب بے کیف کی تنہائی میں
گاؤں کا لمبا حصار،
نیم کی چھاؤں اور برگد کا خمار،
گاؤں کی گلیاں اور تاریک مکانوں کی
خنک، گہری چھاؤں،
خاک جھڑتی ہوئی دیواروں میں قید،
نیم خوابیدہ زمانوں کا جمود،
چاندنی رات میں مسجد کے مینار،
کھیت اور مینڈ اور میدانوں کا زور،
ندیاں فصلیں چراگاہوں کا شور،
دھول اڑتی ہوئی راہوں میں —
موذن کی صدا!

سادہ دل لوگ
ستائی ہوئی خلق!!

گرینیڈا

(گرینیڈا پر امریکی حملے سے متاثر ہو کر)

آبشاروں کے، دھنک کے، سبزہ زاروں کے
سرور و کیف کے، پھولوں کے، رنگوں کے
صنم کے، بت کدوں کے،
زندگی کے، روشنی کے
خواب!
آنکھوں میں بسائے
دن چڑھے میں جاگتا ہوں!

زندگی کے، روشنی کے خواب
دن بھر
میری مٹھی میں
پڑے سستایا کرتے ہیں
اور شہر ناپرساں میں پھیلی
تنگ اور تاریک گلیوں میں،

مسلسل، برہنہ سر، برہنہ پا،
بے ردا، سرگوشیاں پرواز کرتی ہیں!

دل شکن ہوتے ہیں سارے دن
مگر ہر شام کی دہلیز پر
امید کی قندیل
ہاتھوں میں اٹھائے
اپنے گھر کی چوکھٹوں پہ
ڈھونڈ تا ہوں میں
تمہارا خط!

کہ شائد
شبنمی قطروں کا کوئی آبگینہ،
کہ شائد کوئی لہجہ، کچے لیموں کی مہک لے کر،
کہ شائد چند موسیقی بھرے الفاظ،
کوئی معتبر، نا آشنا لمحہ
ہمارا منتظر ہو!

کہ شائد
اس برس جاڑا گلابی ہو،
کہ شائد اس برس برسات کا ہو نام
سیرابی!

قتل وغارت، خون، جبر وظلم واستبداد،
کذب وافترا کے،
لوٹ، سفاکی، ہلاکت،
وحشیانہ پن کے افسانے
کارنامے،
ان گنت فرعونوں، قارونوں کے، شدّادوں کے،
اورسسکیاں آہ وبکا
سورج کے بیٹوں کی!

الغرض!
دنیا کی ہر منحوس سرخی
میرا استقبال کرتی ہے!
اور مصلحت اندیش بھاشاؤں میں لکھا،
شام کا اخبار!
میرے ہاتھ آتا ہے!

اور یوں
ہر شام کی دہلیز پر
میں قتل ہوتا ہوں!!!

حق زوجیت

مائیں!
محبوبائیں!
اور کچھ
یرغمالی!
شہر کی گنجان آبادی میں واقع
اک حویلی!
یا کسی سیلن بھرے کمرے میں
ٹھس
اک زندگی!!

تاسف

تھکن تو روز کا معمول ہے لیکن
وہ دن بھی، روز کی مانند
اک معمولی دن ہو گا
کہ مطلع صاف، موسم پُر سکوں ہو گا
ہوا، مسرور کن ناز و ادا سے جھومتی ہو گی
اور بچے، پارکوں میں کھیلتے ہوں گے
مگر اس دن، کچھ ایسا ناگہاں ہو گا
مرے سینے میں بائیں سمت
جو اک دل دھڑکتا ہے
محیط بے کراں میں
مرے سوچوں کے سرد و گرم سے مجروح ہو کر
کسی سیال کی مانند
یکسر بہہ چلے گا
قدم میں تھوڑی لرزش

اور سینے میں کہیں کھٹکا سا ہو گا
میں یکایک لڑکھڑاتا
ڈھول سا بجھ جاؤں گا
اور درد کی اک گانٹھ کے چاروں طرف گوندھا گیا
یہ جسم میرا
بے نیاز درد ہو گا

سڑک ہو گی
سڑک پہ میں پڑا ہوں گا
اور میرے عین اوپر
ایک بحر بے کراں، اک آسماں ہو گا
بادباں اڑ جائیں گے سب آسمانوں میں
ابابیلیں اڑیں گی
فضائیں مرتعش ہوں گی
زمیں گردش میں ہو گی
آسماں ہو گا ملائم

دھیرے دھیرے
شام ہو گی!
رات ہو گی!
اور فلک پر چاند ہو گا!
یا اندھیری رات میں تاروں سے جگمگ

آسماں ہو گا!

اتنے تارے! کتنے تارے!
چشم حیرت! چشم حیراں!
آبدیدہ! آبدیدہ!
"رات کے مخصوص حصے میں
فلاں تارا
لرزتا ہے جو میرے دل کی دھڑکن پر
فلاں تارے کو تم بھی دیکھنا"

رات بھر ویرانوں میں
شبنم گرے گی
اور سڑک کے دونوں جانب
کھیتوں میں مٹی کے ڈھیلے
رات بھر شبنم میں تر ہوں گے اور
وہ لڑکی
جو میری ماں بھی تھی محبوب بھی تھی
میں جس کا باپ بھی تھا اور عاشق بھی
ہار کر خود سے یکایک
میز پر بکھری کتابوں
اور درازوں میں پڑے بے کار سامانوں میں
پھر ڈھونڈا کرے گی

جسم میرا!

کاروانِ شب گزر جائے گا
کہساروں میں دریا جاگ اٹھیں گے
پرندے اور دہقاں وادیوں میں پھیل جائیں گے
عورتیں انگڑائیاں لیتی ہوئی
بستروں سے اٹھ کھڑی ہوں گی
اور بچے کنمناتے، ماؤں کے دامن سے لپٹے
آنگنوں تک دوڑ آئیں گے!

ٹہنیوں کی پرخطر اونچائیوں پر
پر سکھائیں گے پرندے!

غرض اسبابِ دنیا
سربسر موجود ہوگا
اور اچانک
میں نہیں ہوں گا

مجھے ہلکا سا اک احساس ہے
کہ زندگی کیا ہے
مگر ہوتا ہے یوں ہر روز
کہ ہر روز کی مانند ہی
میں چوک جاتا ہوں!!!

نقشِ باطل

ہر ایک شام کوئی سانولی امید لیے
فریب خواب لیے ، اضطراب شوق لیے
گزر کے دل کے کئی نیم وا دریچوں سے
گداز لمس کی مانند پھیل جاتی ہے
خموش رات کے سینے میں قید زیر و بم
کوئی خوشبو ،کوئی سرگوشی ،کوئی مدہوشی
کوئی دستک ،کوئی آہٹ ،کوئی انداز دگر
تمام رات ،فضاؤں میں تیرتے پیکر
تمام رات، وہی سا ئبان پلکوں کا
تمام رات، وہی آشیانے زلفوں کے
چہار سمت، وہی لہلہاتی دھانی رات!

ہر ایک شام کوئی خوش گمان واہمہ ہے
ہر ایک رات نئی آزمائش جاں ہے

سحر قریب ہے اور چڑھتے آفتاب کے ساتھ
چلے گا قافلۂ روز و شام پھر آگے
سبک روی سے گزر جائے گا یہ دورِ خواب
ہر اک خیال، ہر اک جذبہ جاں بلب ہو گا
ہر ایک نقش، ہر اک لمس، توڑ دے گا دم!!

سرشت

مری تخلیق سے پہلے
خدائے عزوجل نے جب مری بنیاد رکھی تھی
کہا جاؤ، زمیں کو دیکھ آؤ
سمندر سے ملو
کچھ رابطہ کر لو
اندھیروں میں گھری نوخیز دھرتی
اور شوریدہ سمندر
کو بہ کو، بانہیں پسارے
منتظر تھے
عدم کے پار سے آتی
صدائے بے صدائی
ہوائیں سر بہ سر منہ زور
صدہا، مضطرب سانپوں کی پھنکاریں
سراپا، سرکش و مغرور، وحشی پاؤں سے روندے ہوئے

ساحل!
گرجتا لہلہاتا تھا سمندر
اور لہریں سر پٹکتی تھی!

ازل کے اس خرابے سے
چرالی میں نے خاموشی سے
سرکش موج
اک پھنکار
دامن میں چھپائے لوٹ آیا!

خدائے عزوجل نے پھر مجھے بھیجا زمیں پر
اور مکاں سے لامکاں تک اک سفر درپیش تھا
مجھ کو

مگر اب تک وہ سرکش موج
مجھ میں موجزن ہے
بے محابا آج بھی مجھ میں اچھلتی
گونجتی ہے
اور مجھے بے چین رکھتی ہے!!

دیدنی تھی شکستگی دل کی

چاہے جس طور بیاں کیجئے، افسانۂ درد
جسم کو خوف بہت، جان کو اندیشے تھے
چاہے جس طور رقم کیجئے گراں جانئ دل
خوں میں ہنگامہ بہت ،روح میں ویرانے تھے
لاکھ چاہا ،دل مضطر کی کشاکش سے سوا
رقص بے پروا و بے باک کا آغاز کروں
خون دل اشک کروں، اشک گہر تاب کروں
پس دیوار قفس ،سینۂ دل چاک کروں
لاکھ چاہا ، دل شوریدہ پہ مشکیں تھیں بہت
لب مشتاق پہ بوٹوں کی زباں رکھی تھی!

”جان گھبراتی تھی اندوہ سے تن میں کیا کیا“
جان گھبراتی ہے اندوہ سے تن میں کیا کیا!!

پس واقعہ

محفل، محفل ، راتیں سونی
دن بے ہنگم ، ریلے سا
رنگ تبسم ، رنگ خزاں سا
موسم گل ، اندھیارے سا
مٹیالے سے لعل و بدخشاں
شعلۂ لب ، اندیشے سا
سینہ ،سینہ ، جبر اداسی
عرصۂ دل ، ویرانے سا
قصر جنوں تھا قصر ملامت
کوہ کنی کیا ، تیشہ کیا
بے کیفی ،بے مہری ٔ ہستی
دل ، انگشت بدنداں سا
خواب، سراسر سرسامی سے
منظر ، عکس گریزاں سا

دل کی لگی، بے لاگ و لگن کی
حسرت دید ، تماشہ سا

سناٹا، سناٹا ، ہر سو
سنا ٹا--- سناٹے سا !!!

بہت کم روشنی باقی بچی ہے

بہت کم روشنی باقی بچی ہے
اتنی کم کم کہ
اندھیرے اور اجالے میں
تمیز و فرق مشکل ہے
خود اپنا نام پڑھنے میں
بڑی تکلیف ہوتی ہے!

یہاں آتے ہوئے ان راستوں میں
بدن کے تنگ اور تاریک غاروں میں
نہیں معلوم کیا گزری
خود اپنی شکل و صورت یاد کرنے میں
بڑی تکلیف ہوتی ہے!

کہاں پہلو ہے میرا
کس طرف دل ہے!

کہاں دھڑکن ہے اس کی
کس جگہ، وہ شہر جادو ہے!
کہاں آواز بستی ہے
ستاروں کی چمک،
کیوں ماند پڑتی ہے!
وطن!
میرا وطن، کس دشت میں گم ہے!

بمشکل باقی بچتی
چاندنی میں
مضمحل تاروں کی چھاؤں میں
مسلسل مضطرب، تاریک سیاروں میں، گاؤں میں
لرزتی، اوس میں بھیگی ہوئی،
گم صم، وہ ساری لڑکیاں
کس دشت میں گم ہیں

زمانہ ہے کہ خنجر ہے!

بدقت سوچتا ہوں
کچھ خبر ہوتی نہیں مجھ کو
میرے خوابوں میں اب
لعل و بدخشاں میں ڈھلی

سڑکیں نہیں آتیں
بڑی اماں کا قد آور، تناور جسم
اب ڈھونڈھے نہیں ملتا
کہیں دل کھو گیا
پردوں کے پیچھے رات سوتی ہے
کوئی پگڈنڈی کوئی راہ
کیوں جاتی نہیں دل تک!

زمانہ مجھ سے غافل ہے،
زمانے بھر سے میں غافل!

یہاں میں ہوں
نشے میں چور،
ساحل سے ہوا مسرور آتی ہے
بڑی مغموم جاتی ہے!
کتابوں کے ورق سے کھیلتی
دل کے دریچوں سے گزرتی ہے
میں ہاتھوں میں قلم تھامے،
مسلسل، جھینگروں کی چیخ سنتا ہوں
کتابوں پر دھواں اور راکھ گرتی ہے

بدن پر موت کی پرچھائیں
پڑتی ہے!!!!

طلسم

نہ جانے اس کے عریاں آبنوسی جسم
اُنڈی چھاتیوں میں
دھند اور اسرار سے پر گھاٹیوں میں
ایسا کیا تھا
کہ وہ پہلو میں آیا اور اپنے ساتھ سامان فنا لایا
ادھر مجھ تک یکایک
مجھ سے لا پرواہ
میری زندگی
مسرور و شاداں اس طرح آئی
کہ مجھ کو بے محابا موت یاد آئی

”یہ کیسے سلسلے گندم کے دانوں میں بنے ہیں“

دکھ تو اور بہت سارے تھے،
لیکن ماں کو
ایک ہی دکھ کھائے جاتا ہے
کہ وہ بچے جن جن کر
ان کی شریانوں میں پھول کھلا کر
گھر کی منڈیروں پہ جب بھی
سامان چراغاں کرتی ہے
آنگن کے باہر پھیلا گہرا اندھیارا
اک گھاتک اجگر، ہتیارا
اس کے سارے لعل و جواہر کھا جاتا ہے
اور ہری گودوں کی ملکہ
بانجھ بنی جیتی ہے

تذبذب

قفس اور بال و پر میں حشر کا شکوہ بجا، لیکن
لہواور شورش پیہم کا افسانہ بجا، لیکن
گرفتارِ قفس،
دیوار و در میں کسمساتا ہے!
وہاں باہر، بہت ممکن اجالا ہو!
مگر کیا جانئے، کیسا اندھیرا ہو!
سمندر ہو بیاباں ہو،
سراسر ہو' کا عالم ہو
ہوائیں سربسر سفاک
دھرتی سخت، بنجر
دوپہر کا سخت پہرہ ہو
بہت ممکن،
گرفتار تمنا، تشنہ لب
صحرائے ہستی میں بھٹکتا ہو!

قفس اور بال و پر میں حشر کا شکوہ بجا لیکن
لہو اور شورش پیہم کا افسانہ بجا لیکن!!

بے خبری

درد کی نئے کیا؟
شہر بلا کیا؟
رقص ستم کیا؟
جور و جفا کیا؟
شور الم کچھ
شور جہاں کچھ
دل کی لگی کا
ہنگامہ کچھ !!!

المیہ

مری شورش زدہ آنکھوں نے مجھ سے یوں کہا کل شب،
'یہ دھیمی آنچ کا جلنا تجھے دیوانہ کر دے گا!'
میں کیا کرتا، کہاں جاتا
کہ حائل تھا مرے سینے میں،
اک محبوس سناٹا!
تعین کون کرتا، ہم کہاں پر خیمہ زن ہیں!
مسلط ہے سروں پر کون سا منحوس سایہ!
اور ایسے میں
تلاطم روز و شب تیری لگن کا
جان لیوا ہے
بڑے ہی جاں گسل ہیں
تیری چاہت کے صنم خانے!

محبت خونِ دل کیوں ہے
تمنا سوزِ جاں کیوں ہے
رفیقانِ سفر اتنا بتانا
آرزو اک المیہ کیوں ہے!!!

محشر

دلِ وحشی، جنوں کی کون سی منزل تھی کل شب،
جہاں باہم ہوئے قزاق و دلبر!
چلے خنجر گلے پر، آستیں پر
دل و دامن پہ، دستار و جبیں پر!
عجب اک شور تھا، محشر بپا تھا!

بہت آہ و فغاں اندوہ جانی!
ہزاروں زخم اور اک سخت جانی!

نہ جانے شدت یلغار کیا تھی!
نہیں معلوم کیا مدت رہی
کشت نگاراں کی!
کھلی جب آنکھ تو،
اک ٹوٹتے نشے کا عالم تھا!

شفق گوں تھا، افق دل کا!
چمن کا راستہ، دھبوں سے پر تھا اور
صبا دامن میں اپنے،
خون کی بو باس رکھتی تھی!
نظارہ دیدنی تھا!
اور دل بے تاب نے
دیکھا!

لہو سے لال ہے صحن چمن اور ہر طرف،
بدرنگ خوں کی لالہ کاری ہے!
نگینہ دل کا سو ٹکڑے پڑا ہے
اور ہر ٹکڑے میں کوئی عکس وحشی ہے!
دل و دلبر کی آشفتہ سری ہے!
دل و دلبر کی راہوں میں فقط
شیشے کی کرچیں ہیں!!!

ماورا

بیسویں صدی کے آخری برسوں میں
اک گہراتی ہوئی شام کو
جب پرندوں اور پتوں کا رنگ سیاہ ہو چکا تھا
اور دکھ کا رنگ
ہر رنگ پہ غالب تھا
ماں ٹوٹ چکی تھی
محبوبہ روٹھ چکی تھی
ہفتہ وار تعطیل کی فراغت سے مطمئن
سرشاری کے اک لمحے کو بے قرار
شاعر لکھنے بیٹھا!
گردوپیش کی دنیا
نہایت آہستگی سے
خفیف پردوں سے چھنتی ہوئی
غائب ہو گئی
اور پوری کائنات محدود ہو کر

میز کے رقبے میں سمٹ آئی!
شاعر نہ معلوم کتنے زمانوں تک
مبہوت بیٹھا فضا کی سرگوشیاں سنتا رہا
سائیں سائیں کرتی خاموشی میں
معتبر الفاظ کی تلاش و جستجو میں

غلطاں و پیچاں!
کہ --- یک لخت رات کی شہ رگ سے
خون کے فوارے پھوٹے
اور سسکتی سیڑھیوں، چیختے دروازوں کے آہنگ پہ
میز پر پڑی، کانچ سے جھانکتی
مارکس کی تصویروں پر
اک تارا بجاتے ہوئے نیپالی بچے کی تصویر
اور پاش کی نظموں پر
جھما جھم، آنسوؤں کی بارش ہونے لگی
اور باہر رات کی تاریکی میں کتے بھونکنے لگے

نصیبوں جلی بانکی تلنگن رات جاری تھی!!

گئی رُتوں کی فصل

ان کو دعویٰ تھا بہت، اپنی زلیخائی کا
چاک داما نی کا ، پیراہن رسوائی کا
آبلہ پائی کا، انداز شکیبا ئی کا
دل گرفتاریٔ محبوب کا ، تنہا ئی کا
نیز دلداریٔ بسیار، کہ سب خوگر خاک
خونچکاں خاک کے محور سے گزرنے والے
سب جنوں پیشہ ، و منت کش آزار و جمال
جی کا آزار سبھی ، جاں سے گزرنے والے

"کون ہوتا ہے حریف مے مرد افگن عشق!"

جن کو دعویٰ تھا بہت ، اپنی زلیخائی کا
چاک دامانی کا ، پیراہن رسوائی کا
ایسے بے فیض ہوئے، رنگ صبو بھول گئے

رمزخوں ، رقص جنوں ، بھول گئے
جانے کیا رقص ستم ، برپا ہوا آخر شب
سب جنوں پیشہ و منت کش انجام و مآل
شہر افسوس کے دیوانے ،کم و بیش تمام
چشم تمہید کو اب چشم رسا جانتے ہیں
حرفِ حرص و ہوس کو حرفِ خدا مانتے ہیں!!!

یادش بخیر

ایک پگڈنڈی
اسکول اور گاؤں کے درمیاں
جس کے دونوں طرف
کھیت سرسوں کے پھیلے ہوئے
ساگ چنتی ہوئی لڑکیاں!
گاہ مڑتی ہوئی، گاہ معدوم ہوتی ہوئی
میری پگڈنڈیاں!

اور اسکول سے متصل
نرم و غمناک سایوں بھرا
شہر خاموشاں
معمورۂ رفتگاں
ڈھور کے ڈھور گاؤں کو جاتے ہوئے
آنگنوں سے نکلتا دھواں
میرے قدموں کی آہٹ پہ

قبروں میں پہلو بدلتے ہوئے
منتظر ساکنانِ عدم
اور اپنی لحن میں مگن
شاخ سے شاخ تک
گنگناتی ہوئی ڈالیاں!

ہاں یہی غمکدہ ہے جہاں
عشق نوخیز کی آگ میں
آخر شب یہاں شہر ارواح میں
آسمانوں سے فریاد کی!
دھیرے دھیرے زمیں کھا گئی
ساری قبروں کو اور
مجھ سے روپوش ہوتی گئیں ڈالیاں!

اک سڑک
شہر اور گاؤں کے درمیاں
سنگریزوں کو ٹھوکر لگاتا ہوا
دشت حیرت میں گم
میرا بچپن وہاں
بیچ رستے میں پھاٹک پڑا ریل کا
باغ و میدان میں
گونجتی سیٹیاں!!

عرصۂ سحر میں جانے کن منزلوں کی طرف گامزن
دندناتی ہوئی گاڑیاں!!

اور پھاٹک سے بس تھوڑی دوری پہ جاتی ہوئی
نہر مڑتی ہوئی
نہر پر ایک پل
جس پہ بھوتوں کے دل
نہر سے متصل
میرے پرکھوں کے وقتوں کا تالاب تھا
سالہا سال تک
دور دیسوں کی مٹی پہنچتی رہی
دھیرے دھیرے وہ تالاب بھرتا گیا
مرگئیں مچھلیاں!!

میرے بچپن کا ساتھی جفاکش و چالاک کلو
جواب ایک مستان ہے
کیا اسے آج اک سانس میں پار کر پائے گا!!!

دستِ تہِ سنگ

شرق سے غرب تک،
عرش سے فرش تک،
یا کراں تا کراں
ایک سناٹا پھیلا ہوا!

میری بے کل جبیں کے طلسمات سے،
تیری بے چین بانہوں کے الہام تک!
تشنہ ہونٹوں سے ہلچل بھرے جام تک!
ان کی آنکھوں کے روشن دیوں سے
مری ارغوانی گھنی شام تک!
یا کراں تا کراں
ایک سناٹا پھیلا ہوا!

کہکشاں بجھ گئی راستے میں کہیں
رنگ نور سحر لٹ گیا

آسمانوں میں الجھا ہوا
میکدہ نور کا!

دلبرانِ حرم،
تھک کے گمنام رستوں میں گم ہو گئے
رنگ مہتاب کمہلا گیا

مہ رخاں،
چشم آہو صفت
مست، مدماتی شاموں میں
حسرت کی دہلیز پر
آہ بھرتے رہے
اور صبارات بھر
زرد مہتاب کی آنچ میں
خاک بر سر بھٹکتی رہی!
یا کراں تا کراں!
ایک سناٹا پھیلا ہوا!

حلقۂ عاشقاں سے لب بام تک!
دست ساقی سے دُرد تہ جام تک!
دید بینا سے بسمل کے انجام تک!
معبدوں کی خموشی سے ہنگامۂ مجمعِ عام تک!
شہر افسوس کی تیرہ و تار گلیوں سے

روشن دمکتی ہوئی شارع عام تک!

یا کراں تا کراں

ایک سناٹا پھیلا ہوا!

رب معبود گم آسمانوں میں ہے

گنگ و خاموش ہے

"بادشاہ جہاں' والیِ ماسوا' نائب اللہ فی الارض" و کون و مکاں!

عشق کا ماجرا!

حسن کا ماجرا!

درد کا ماجرا!

یا خدا!

یا خدا!

کچھ سبیل جزا!

دل دھڑکنے کا کوئی بہانہ

خدا!!

بحران

خدایا!
صبر کی توفیق دے،
مجھ کو،
مرے دل کو!
دیار عافیت!
پاتال کے اندھے شکم میں گم
وبال دوش ہے سر
اور جھلستی چلچلاتی دھوپ کے نرغے میں،
میرے سارے نخلستاں!
یہ کیسا لق ودق صحرائے وحشت ہے
ہوئے جاتے ہیں اب معدوم
پھولوں کے حوالے
میری نیندوں سے!!

عرضِ حال

کوئی نوکیلا پتھر تھا
جہاں آٹھوں پہر
میں ایستادہ تھا!
درودیوار سے آراستہ، پیراستہ
اک راستہ تھا
راستے میں مَیں تھا اور
پابندرسم وراہ تھی
ہستی ہماری!
نہ تلووں میں چبھن ہوتی
نہ آنکھوں میں جلن ہوتی
بڑی مستعدی، پابندی سے تھا
ناآشنائے درد
دل میرا!
تغافل تھا،
کوئی طُرفہ تماشہ تھا

اذیت تھی، نہیں تھی،

واہمہ تھا،

درد کا دھندلا گماں سا تھا!

یکایک بیٹھے بیٹھے آنکھ بھر آتی

یکایک سینے میں سناٹا بھر جاتا

مگر دل تھا بصد ناز و ادا

زندانیٔ صحرا

مسلسل درد کے عرفان سے

بے بہرہ، لاپروا!

کسے فرصت، دل و دامن کے

بخیے کھول کر دیکھے

کسے قدرت، ٹھہر کر ڈوب کر دیکھے

یہاں کیا کھویا،

کیا پایا!

قرار واقعی

اک تیز تیزابی نشہ تھی زندگی

اک ریس کا میدان

ہر جا، چیختی، چنگھاڑتی،

اک موج خوں تھی

نیند کے نیلے افق کے پار
یاد اور خواب کے غافل جزیروں میں
مسلسل، بے رحم
بمبار طیاروں کی یورش تھی!!

کوئی نوکیلا پتھر تھا
جہاں آٹھوں پہر میں ایستادہ تھا!!!

عہدِ وفا

تمہارے واسطے بھی
ساری دنیا سے اگر میں لڑ نہ پایا
تو تم ہر گز نہ سمجھو
کہ دنیا، تم سے زیادہ معتبر ہے!
تم سے، مجھ سے، منحرف دنیا،
یہ دنیا، روز، عالم گیر سطحوں پر
ہماری زندگی پہ
جبر کا سامان کرتی ہے
مسلط کر کے اپنی ساری مکروہات ہم پہ
فتح کا اعلان کرتی ہے!
یہ ہر سازش میں شامل ہے!
یہ جابر ہے یہ ظالم ہے!

تہی دستوں سے، سادہ دل جوانوں سے
عوام الناس سے، کمزور جانوں سے
قتیل دلبراں سے، دل فگاروں سے
عداوت ہے اسے، منصور و قیس و کوہ کن سے
یہ دنیا، آج بھی اس کو یزیدوں سے محبت ہے!!

تشکیک

یکایک اور بظاہر بے سبب
شانے پہ اس نے ہاتھ کیا رکھا
لہو کے پار پر اسرار جنگل کانپ اٹھے
اور معاً مجھ کو گماں گزرا——
زمیں محور پہ اپنے ناچتی آئی،
یکایک تھم گئی ہے!

عین ممکن ہے
زمین کا رقص جاری ہو
تعطل کا گماں اک واہمہ ہو
لہو میں دوڑتے
بے صبر خوں کی بوند کا
اچھال ہو!!

آخر شب

نیم خوابیدہ شبستانوں سے اٹھتا ہے دھواں سا،
آخر شب!
پھوٹتی ہے روشنی دیوار ودر سے،
دیکھتا ہے تیرا دیوانہ
گزرتی رات کے مدہوش منظر!
جھومتی شاخیں!
لرزتی خوابناکی!
بادبان شب!

شہر کی سرحد سے بڑھتا کاروان نور!
شائد پھوٹتی ہے صبح!
شائد ہو رہی ہے شام!
شائد بن رہی ہے ساری دنیا،
پھر سے ہونے کو ہے سارا
عالم امکاں!

گرجتا لہلہاتا ہے سمندر،
نیم خوابیدہ شبستانوں سے باہر!
جفاکش کشتیاں، ملّاح اور غمناک نغمے
سنگ دل قزاق!
کالی رات!
شوریدہ سمندر!
چھوٹتے ہیں ہاتھ سے پتوار
جالگتی ہے کشتی سینۂ ساحل سے آخر!

نیم خوابیدہ شبستاں،
آخر شب،
'بوری بندر'!

منچلے آوارگان شہر فرقت،
دور افتادہ مقاموں سے چلے سیاح،
آکر ٹھہرتے ہیں
اور بہت لمبے سفر، لمبی تھکن کے بعد آتی
نیند!
بادِ صبح گاہی!
انوکھی داستانیں!
برہ کے دیس کے قصے!

سینۂ ساحل پہ،
روشن آگ!

حلقہ زن ملاح!

تمباکو!

تھرکتے جام!
خمار آلود آنکھوں سے نکلتی آنچ،
شعلوں سے لپکتی آگ!

لپکتے ہیں تمہارے جسم کے قوسین!!!

تاریک سیّارہ

شام تاریک تھی، تاریک تھا سیارۂ دل
شام تاریک میں،
بے صبر مکانوں سے پرے،
لوگ نکلے تھے مگر،

راستے موہوم تھے سب!
کچھ تو خندق سے اٹی راہیں تھیں،
کچھ کراہوں سے لرزتے سائے!
کچھ تو مغموم و فسردہ چہرے،
اور موہوم ستارے سارے!

شہر مذموم و سیہ بخت
جہاں تیرہ و تار!
مندمل دشت کی پہنائی میں
اک جہاں تیرہ و تار!

لوگ آتے تھے، چلے جاتے تھے!
'فصل پک جاتی تھی، کٹ جاتی تھی!'
رقص تھا، رقص کی رعنائی تھی!
کو بہ کو دل تھا، جبیں سائی تھی!
'کوی ویرانی سی ویرانی تھی!'

مضمحل تاروں کی چھاؤں میں،
مسلسل، پیہم،
عکس انوار الٰہی کا سماں
جاری تھا!!

کافرعدد

اماں بتاتی تھیں
کہ بچپن سے ہی میں بڑا خود سر اور ضدی تھا
مجھے خود سر بنائے رکھا
کچھ تو میری انا کی سرکشی نے
اور کچھ احوال دنیا نے
اور کچھ
آگ سی روشن
شراب سی تند و نشہ آور
بظاہر معمولی
ان معصوم و خوش خلق لڑکیوں نے
جنہوں نے میری ناز برداریاں کی
اور ان کے ساتھ ساتھ
میری خود سری کا ساتھ دیا
میری اچھی بری نوکری نے!

ممنوعہ کتابیں

اور میرے دانا دوست

بتاتے ہیں

کہ نوکری یعنی محنت کی فروخت نے

مجھ سے میری زندگی چھینی

ہائے مجھ سے غیر ہوتی ہوئی

ہر لحظہ دور ہوتی ہوئی

میری وہ زندگی!

ممنوعہ کتابوں اور دوستوں کی دانائی کے باوجود

انا کی سرکشی اور خودسری کے باوجود

نوکری نے

مجھے ملک خداداد میں زندہ رہنے کا حق اور اختیار دیا

روٹی کی مہک

اور گرمی سے معمور گھر

اور وقتاً فوقتاً

خواب دیکھنے کی جرأت و فراغت!

اور کبھی کبھی تو روٹی کے ساتھ

شراب کی توفیق بھی!

اور کبھی جب

زندگی کی بے رنگی اور قلاشی سے تنگ آکر
یا انا کی سرکشی سے مجبور ہو کر
یا محض نشے کی جھونک میں
اڑیل اونٹ سی بیٹھی دنیا کی دم میں ٹھوکر ماری
تو اس جرأت رندانہ کی پاداش میں
زندگی کو محال ہونے
اور مجھے ٹوٹنے سے بچایا
دوستوں نے
اور میری اچھی بری نوکری نے!

نوکری کی نعمتیں بے شمار تھیں
حق تو یہ ہے کہ
نوکری
کبھی میرے باپ کا سخت گیر و شفیق سراپا ثابت ہوئی
اور کبھی خدائے رزاق و رحمان کا
ظہور!
حد تو یہ کہ
نوکری سے اکثر اکتائے رہنے کے باوجود
میں یہ سوچنے پر مجبور ہوں
کہ کیسے جیتے ہیں لوگ
بغیر نوکری کے!

'ایک نظم کہیں سے بھی شروع ہو سکتی ہے'
مثلاً آج کے اخبار سے
جس میں جلی سرخیوں میں درج ہے کہ
نوکری کی سولہ نشستوں کی خاطر
دس لاکھ بیکار نوجوانوں نے درخواست دی!!!

ہائے وہ سولہ کا کافر عدد
اوراس کے بدلتے حوالے!!

شہر آشوب

جن دنوں میں
اپنی تنہائی کا نوحہ لکھ رہا تھا
بستیاں آباد تھیں، رونق بھری تھی شام
اور جاڑا گلابی
تازہ تازہ شہر میں داخل ہوا تھا
جن دنوں میں
پا پیادہ اور فرسودہ زباں میں
سوزہائے اندروں کے قصۂ پارینہ کی تفصیل میں، تعبیر میں
الجھا ہوا تھا،
بھیڑیے آزاد تھے
اور ایک قاتل راگ
بجتا جا رہا تھا،

خوب تر سے خوب تر تھا
قتل کا نغمہ!

جس نے جو سمجھا وہی تاریخ تھی،
خواجہ سرائے شہر، دارالسلطنت میں
کربلا کے حزن میں
اک وحشیانہ رقص کی تخلیق میں مصروف تھا
اور سب تماشائی، سبھی مقتول سارے
دم بخود، مسرور، خاموشی سے سنتے جا رہے تھے
اور موسیقی سے لگ بھگ نابلد ہر شخص
اگلی صف میں بیٹھا،
تال کی ہر گت پہ، ہر جھنکار پہ
بے حال ہوتا جا رہا تھا!!!

ایک قاتل اور سریلا راگ
بجتا جا رہا تھا!!!

اک تھکے ہارے شخص کا بیان

یہ میلوں میل کا بے ذائقہ، لمبا سفر اچھا نہیں لگتا
یہاں اچھا نہیں لگتا، وہاں اچھا نہیں لگتا
مزہ یہ ہے کہ اب کچھ بھی مجھے اچھا نہیں لگتا
مگر ہر روز تازہ خون کی گلکاریوں،
پچھلے پہر کے خواب کی عیاریوں سے تر،
کسی زخمی درندے کی کراہوں سے لبالب،
دن نکلتا ہے
طلوع ہوتا ہوں میں بھی بے ارادہ
بے ارادہ ڈوب جاتا ہوں!

کسے معلوم کہ
مابین صبح و شام جو یہ دن کا وقفہ ہے
یہ میری ہستئ موہوم کا بے ربط رقص والہانہ ہے

کہ غائب از نظر
سفاک سحر سامری کا کارنامہ ہے

تو کیا یہ طے ہے
میں دراصل زندہ ہوں!!!

جبر مشیت

قلم حیراں ،سیاہی خشک ، دل پہ جبر کا پہرہ
نگاہوں سے نگاہوں تک، سکوت مرگ کا پہرہ
کہاں باد نسیم صبح گا ہی ، کس جگہ گلشن
وہاں صیاد کا پہرہ ، یہاں صیاد کا پہرہ
رفیقان چمن ،بے امتیاز شوق و رسوائی
کیے جاتے ہیں اب تو بار گاہ صبر کا پہرہ
چلے جاؤ ستارو ، جس طرف چاہو چلے جاؤ
یہاں انفاس کا پہرہ ، وہاں افلاک کا پہرہ !!

مرحلہ

نہ اس کے عشق کے کام آسکا میں
نہ اپنی آگ کو بھڑکا سکا میں
نہ شورِ آرزو نے راہ پائی
نہ دردِ بے خودی تھی، نے رسائی
زمانہ اپنے محور پہ رواں تھا
محض اک آگ تھی، جلنے میں کیا تھا

خدایا کس طرح سر ہو سکے گی
دل و دیدہ کی یہ پُر داغ محفل!!

کشتی

ہر چیز، فنا ہو جاتی ہے
ہر چیز، فنا ہو جائے گی
تن کا سونا ، من کی چاندی
سانسوں کا کندن، خوں کی لحن
تیرا وہ دمکتا پیراہن ،
میری وہ سلگتی شام ختن،
یہ ،صبح وطن ،یہ شام وطن
یہ بسط فلک ، یہ صحن چمن
آنسو ،انگارے، دل، دھڑکن
نفرت ،الفت ،ہر بوئے سمن
ہر قصہ ، قصہ شیون تھا
ہر جام ، شکستہ آئینہ !

لیکن باقی رہ جاتی ہے
لیکن باقی رہ جائے گی
اِس پار ازل سے آتی ہوئی
اُس پار عدم کو جاتی ہوئی
مدھم، مدھم ،مسرور ہوا !!

پس نوشت

زباں مرگ آشنا کا بے زباں شاعر
پس تاریخ و مرگ واقعہ لکھے تو کیا لکھے؟
لکھے!
امید کا محور لغو ایجاد ہے
علم جراحت ایک فرسودہ حکایت ہے!
دوپٹے رنگنے والوں کا قبیلہ مٹ چکا
ہر قتل بر حق ہے!
لکھے --- کہ زندگی ہے کشتنی اور
خون اک سیال ہے، گو سرخ!
ساری داستانیں،
خون ناحق کی،
لہو کی حدت و سرخی کا
ہر رنگین افسانہ،
عبارت ہے

محض پیرایۂ گفتار ہے!
گفتار سے آگے
حقیقت برملا بس یہ
کہ ماہر کیمیاگر،
حیض کے لتے سے لے کر
خون آلودہ کفن کے داغ تک
ہر داغ
ہر دھبے پہ
قادر ہے!
وہ داغ دام ہو،
یا داغ محبوبی!
نشاں ڈھونڈے نہیں ملتا!

یہ بازار جہاں ہے!
یہاں ہر جنس
چھ آنے میں بکتی ہے!

کوئی امید، کوئی خواب،
کوئی ولولہ، سودا،
تب و تاب خیال یار،
خواب جنت فردا
میاں بازار ہے!

بازار میں ہر جنس
چھ آنے میں بکتی ہے!

پس تاریخ و مرگ واقعہ
فی الوقت
تہذیب و تمدن کے "تصادم" اور "تلاطم" کے زمانے میں
زباں مرگ آشنا کا بے زباں شاعر،
لکھے کہ —
سارا جنگل گھاٹ پر موجود ہے
جنگل میں منگل ہے
ہرن اور شیر میں اک بھائی چارہ
بھیڑیے اور بھیڑ میں ماں جایا رشتہ ہے
لکھے کہ
شہر میں چھایا ہوا کرفیو کا سناٹا
سکوت شب کا نغمہ
اور شہر خاموشاں
ہر شور و شر سے پاک
شہر حسن کی تمثیل، شہر آرزو ہے!

جا بہ جا،
گلیوں سے، کوچوں سے
صحن سے، آنگنوں سے

پے بہ پے، اٹھتا ہوا

یہ بین بے مایہ،

علامت ہے

کہ روح عصر ہستی

گامزن ہے!

یہ لازم تھا

یہ لازم ہے

زباں مرگ آشنا کا بے زباں شاعر

لکھے

ہر ماجرا لکھے!

حکایت برملا،

ہر آرزو کا معاملہ لکھے!

تکلف برطرف --- لکھے

ستم کی انتہا

اور آرزو کی ابتدا لکھے!

زباں مرگ آشنا کا بے زباں شاعر

مگر لکھے --- تو کیا لکھے؟

سواد کفر کا اک سلسلہ جو ختم ہونے پر نہیں آتا

دریدہ دامنی جو صابر و شاکر نہیں ہوتی

ستم کی رات جو ڈھلنے پہ آمادہ نہیں ہوتی!!!

جہت کے شاعر نہیں، وہ جہات اور جہانوں کے شاعر ہیں۔ان کی نظم ایک زینہ دار منبر پر کھڑی نظر آتی ہے جو ایک دُھند بھری شام میں انبوہ کثیر سے ہم کلام ہے۔راستے، منزلیں، سفر اور ان سب کی جستجو میں گرد، دُھند اور بے سمتی کا خوف ان کی نظموں کا پس منظر ضرور بنتا ہے لیکن ان کے راہ نوردی کے شوق کو مرنے نہیں دیتا۔ اُنھیں احساس ہے کہ اس جہان تیرہ وتار میں ہر موسم بڑی سخت جانی کا موسم ہوتا ہے جس کا ہر منظر دیدنی ہوتا ہے اور صبا دامن میں خون کی بو باس رکھتی ہے۔ اکرام خاور کی نظم بظاہر اوپری سطح پر تلاطم اور تموّج کا اندازہ ہونے نہیں دیتی لیکن اپنے اندرون میں احتجاج و اضطراب کا ایک ایسا الاؤ روشن رکھتی ہے جو دُور و نزدیک ہر چہرے اور ہر ذی حیات کو منوّر رکھتی ہے۔ان کی اکثر نظموں کا سرچشمہ ان کے اندر کی برہمی، احتجاج اور اضطراب ہے۔ وہ زندگی کے سکوت سے زیادہ اس کے ہلچل کے قائل ہیں۔ وہ چاروں سمتوں میں پھیلی زندگی کی اسی ہلچل کا حصہ بن کر آگہی اور عرفان کی منزلوں سے گزرتے ہیں۔اپنے سچ کو پرکھتے ہیں اور زندگی کے جھوٹ کو کھرچ ڈالتے ہیں۔

اکرام خاور کی نظم اپنی رمزیت کے حسن اور ترشی ہوئی غنائیت کے بل پر موضوع اور مواد کی گراں باری کا احساس نہیں ہونے دیتی۔ یہ شعری صنعت گری اُنھوں نے فیض سے سیکھی ہے۔اکرام خاور کی نظم سرسری مطالعے کی بجائے سنجیدگی اور انہماک سے پڑھے جانے کا تقاضا کرتی ہے کہ یہ نظم رمزیت اور اشاریت کے حسن سے مالا مال ہے۔

——— زبیر رضوی
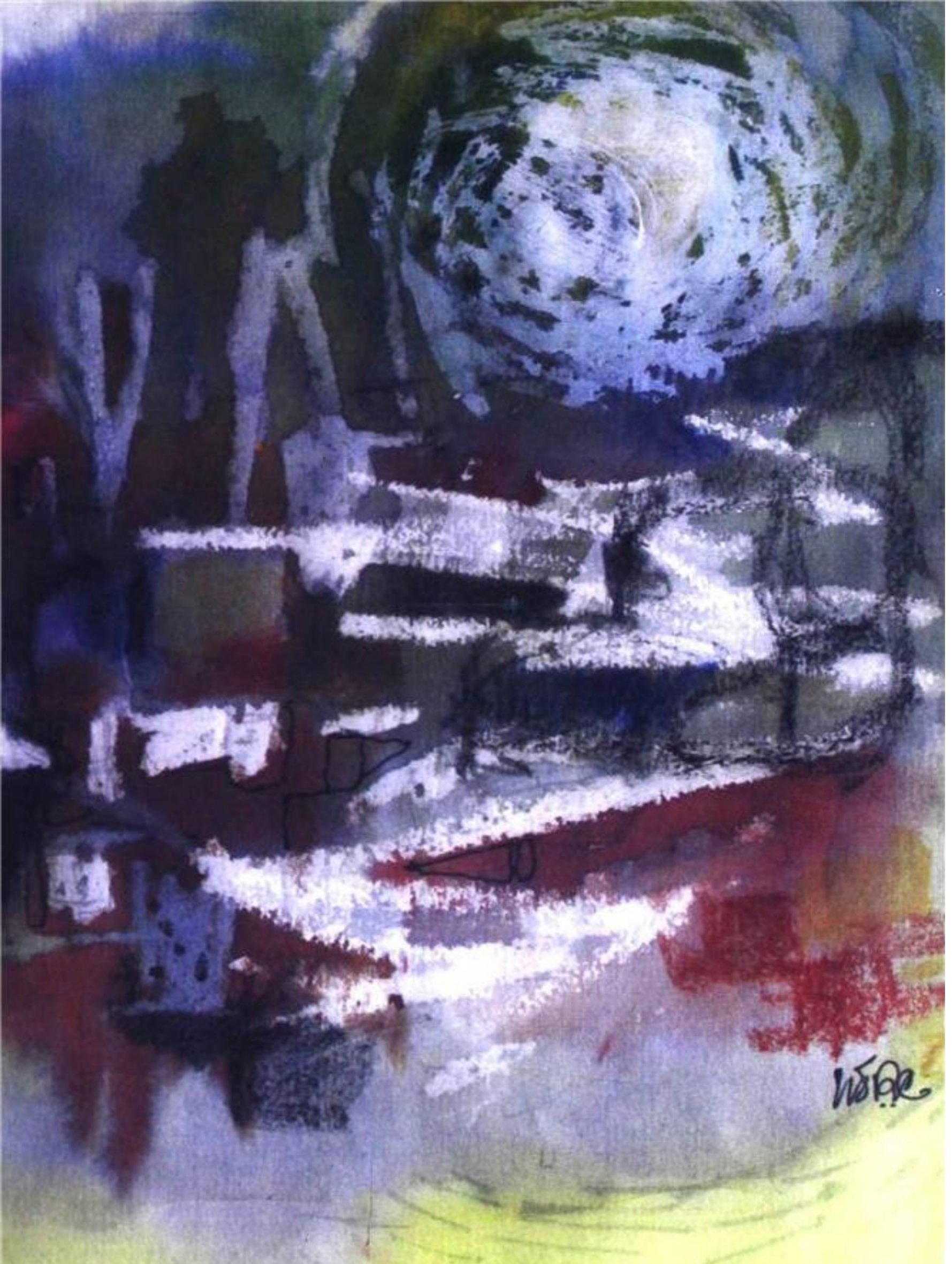
آپ کو شاعری کرنے کا حق پہنچتا ہے۔ پتہ نہیں آپ کس راستے کے
کس موڑ پر کہاں نکل جائیں لیکن وفاداری بشرطِ استواری کے قائل
رہے تو مجھے آپ سے بڑی اُمیدیں پیدا ہو گئی ہیں۔
—— محمود ایاز